کوشش کرو کہ تمہاری اگلی نسل پچھلی نسل سے زیادہ اچھی ہو

از

سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

کوشش کرو کہ تمہاری اگلی نسل پچھلی نسل سے زیادہ اچھی ہو

(خدام الاحمدیہ کوئٹہ سے خطاب فرمودہ ۱۸؍جولائی ۱۹۵۰ء بمقام کوئٹہ)

تشہّد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

''دنیا میں اچھے سے اچھا کام کرنا یہ بہت فرق رکھنے والی چیزیں ہیں۔قومیں اپنی ترقی کے وقت بھی اچھا کام کرتی ہیں اور قومیں اپنے تنزل کے وقت بھی اچھا کام کرتی ہیں۔مگر قومیں اپنے تنزل کے وقت اچھا کام کرتی ہیں اور ترقی کے وقت اچھے سے اچھا کام کرتی ہیں۔ترقی کے لئے ضروری ہے کہ انسان کا اگلا قدم اس کے پچھلے قدم سے آگے پڑے اور جب کسی قوم کی ترقی کسی ایک نسل کے ساتھ وابستہ نہیں ہوتی بلکہ اُس کی ترقی اس کی کئی نسلوں کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے تو اُس کے ہر فرد کو یہ مدنظر رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ اگلی نسل پچھلی نسل سے زیادہ اچھی ہو۔اگر اگلی نسل پچھلی نسل سے اچھی نہ ہو تو اُس کا قدم آگے کی طرف نہیں اُٹھ سکتا۔ درحقیقت مسلمانوں کی تباہی کا بڑا موجب یہی ہوا کہ ماضی کو حال سے کاٹ دیا گیا اور مستقبل کے متعلق انہیں ناامید کر دیا گیا۔اُنہوں نے یہ سمجھ لیا کہ ماضی اپنی بنیادوں پر قائم ہے آئندہ آنے والا کوئی شخص اِس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ بہرحال ہمیں اپنے اعمال سے اور اپنے طریق سے ایسے کاموں سے احتراز کرنا چاہئے اور نوجوانوں میں ہمیشہ یہ روح پیدا کرنی چاہئے کہ وہ پہلوں سے روحانیت میں بڑھنے کی کوشش کریں ۔ بننا نہ بننا الگ بات ہے لیکن کم از کم اِس طرح دماغ تو اونچا رہتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی شخص اتنی ترقی نہ کرسکے کہ وہ پہلوں سے بڑھ

جائے مگر اسے نیچا کرنے میں اس کی مدد ہم کیوں کریں۔ ہم میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو درجہ حاصل ہے وہ ہر شخص سمجھتا ہے لیکن آپ کے درجہ کے متعلق سب سے پہلا مضمون جو میں نے لکھا اور وہ تشحیذ الاذہان میں شائع ہوا اُسے پڑھنے کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے مجھے فرمایا۔ میاں تمہارا مضمون تو اچھا ہے مگر اسے پڑھ کر ہمارا دل خوش نہیں ہوا پھر آپ نے فرمایا۔ ہمارے بھیرہ کی ایک مثال ہے کہ ''اونٹ چالی تے ٹوڈا بتالی'' یعنی اونٹ کی تو چالیس روپے قیمت ہے اور اُس کے بچہ کی بیالیس روپے۔ کسی نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ اونٹ کی قیمت تو بہرحال ایک بچے سے زیادہ ہونی چاہئے۔ بیچنے والے نے کہا اونٹ کے بچہ کی قیمت اس لئے زیادہ ہے کہ یہ اونٹ بھی ہے اور اونٹ کا بچہ بھی۔ یہ مثال دے کر آپ فرمانے لگے۔ میاں ہم تو امید رکھتے تھے کہ تم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی بڑھ کر مضمون لکھو گے لیکن ہماری یہ امید پوری نہیں ہوئی۔ ہمارے ہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوزیشن ایک بڑی پوزیشن تسلیم کی جاتی ہے لیکن میرے اندر ہمت پیدا کرنے کیلئے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل مجھے یہ بات کہنے سے بھی نہ رُکے کہ تمہیں مرزا صاحبؑ سے بھی بڑھ کر مضمون لکھنا چاہئے تھا۔ پس میرے نزدیک کوئی وجہ نہیں ہوسکتی کہ ہم اپنے کاموں میں اولوالعزمی قائم نہ رکھیں۔ اسلام میں کوئی Priesthood یا مولویت نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کیلئے ہر ایک کیلئے راستہ کھلا ہے۔ پس ہمیں نوجوانوں میں یہ احساس پیدا کرتے رہنا چاہئے کہ وہ کبھی بھی یہ نہ سمجھیں کہ وہ پہلوں سے بڑھ نہیں سکتے۔ پس اپنے اندر حقیقی روحانیت اور خدا تعالیٰ کا سچا عشق پیدا کرو اور اس بارہ میں کسی بڑی سے بڑی مشکل اور مصیبت کی بھی پرواہ نہ کرو۔ جیسے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ایک جگہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ اے رسول! تو ان لوگوں سے کہہ دے کہ اگر خدا تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہوتا تو تم پیچھے رہ جاتے اور میں اُس پر ایمان لے آتا[1] مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا نہیں تم نے صرف ایک جھوٹا بیٹا بنالیا ہے۔ اگر مسیح فی الواقعہ خدا تعالیٰ کے بیٹے ہوتے تو سب سے پہلے میں ایمان لاتا۔

حضرت نظام الدین صاحب اولیاءؒ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ایک دفعہ کہیں جا رہے تھے۔ آپ کے ساتھ آپ کے ایک بڑے مخلص مرید بھی تھے جن کو آپ کا اپنے بعد خلیفہ بنانے کا ارادہ

تھا اور ان کے علاوہ آپ کے اَور بھی مرید تھے۔ رستہ میں آپ کو ایک خوبصورت بچہ نظر آیا آپ کھڑے ہو گئے اور اُس بچہ کو بوسہ دیا۔ آپ کو بوسہ دیتے دیکھ کر آپ کی نقل میں آپ کے مریدوں نے بھی اُس بچہ کو بوسہ دینا شروع کر دیا۔ مگر وہ بڑے مرید جن کو آپ کا اپنے بعد خلیفہ بنانے کا ارادہ تھا وہ ایک طرف کھڑے رہے اور اُنہوں نے بوسہ دینے میں آپ کی اتباع نہ کی۔ جب آگے چلے تو دوسرے مریدوں نے آپس میں چہ میگوئیاں شروع کر دیں کہ یہ بڑا مخلص بنا پھرتا ہے حضرت نظام الدین صاحب اولیاءؒ نے اس بچہ کو بوسہ دیا مگر اِس نے آپ کی اتباع نہیں کی۔ وہ چپ رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ کچھ دُور آگے گئے تو ایک بڑ بھونجا دانے بھون رہا تھا اُس نے آگ میں پتے ڈالے تو ایک شعلہ اونچا ہوا۔ حضرت نظام الدین صاحب اولیاءؒ آگے بڑھے اور آگ میں منہ ڈال کر اُسے چوم لیا۔ اِس پر وہ مرید بھی آگے بڑھا اور اس نے بھی آگ کو چوم لیا اور باقی مریدوں کو اشارہ کیا کہ وہ بھی آگ کو چومیں مگر وہ سب پیچھے ہٹ گئے اور ان میں سے کوئی بھی آگے نہ بڑھا۔ پہلے تو ایک بچہ ملا تھا اور وہ خوبصورت لگا تھا جب حضرت نظام الدینؒ نے اسے بوسہ دیا تو آپ کی اتباع میں انہوں نے بھی اُسے چوم لیا مگر یہاں تو داڑھی اور بال جل جانے کا خطرہ تھا اس لئے وہ یہاں آپ کی نقل کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے حالانکہ اگر سچا عشق ہو تو انسان ہر قسم کے خطرات میں اپنے آپ کو جھونک دیتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ تو ان لوگوں سے کہہ دے کہ اگر خدا تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہو تو مجھے کیا انکار ہو سکتا ہے میں اس پر ایمان لے آتا۔ میں تو خدا تعالیٰ کا بیٹا ہونے کا اس لئے انکار کرتا ہوں کہ اس کا کوئی بیٹا ہو ہی نہیں سکتا۔

دوسری بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہر بات کی کوئی نہ کوئی غرض ہوتی ہے اور اس غرض کو پورا کرنے کے لئے ہمیں پوری کوشش کرنی چاہئے۔ یہاں ہر دفعہ ایسا ہوا ہے کہ جلسوں کا پروگرام اس طرح بنایا جاتا ہے کہ اصل غرض کو پورا کرنے کے لئے وقت نہیں بچتا حالانکہ مجلس خدام الاحمدیہ کی تنظیم اس لئے قائم کی گئی ہے کہ ہر چیز حساب کی طرح ہر ممبر کو یاد ہو۔ وہ جب بھی کوئی پروگرام بنائیں اُنہیں علم ہونا چاہئے کہ فلاں کام پر کتنا وقت لگے گا، فلاں پر کتنا وقت لگے گا، ہم نے فلاں سے کتنی دیر تقریر کرانی ہے اور ہمارے پروگرام کے مطابق اُس کیلئے کتنا وقت

بچتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں جب یہ جلسہ ہوا تو ایک خادم کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ وقت کی تقسیم کیسے ہوگی۔ پروگرام کا ہمیشہ ناقص ہونا انتظام کی کمی پر دلالت کرتا ہے۔ عید کے روز بھی جب مصافحہ کے وقت انتظام کے لئے میں نے قائد مجلس خدام الاحمدیہ کو بلایا تو اُنہوں نے جو طریق اختیار کیا وہ ماہرفن کا طریق نہیں تھا۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ کام تو ہو گیا مگر ایسا نہیں جس کی اُن سے امید کی جا سکتی تھی۔ اگر ایسا انتظام وہ قادیان میں کرتے تو یقیناً ناکام رہتے۔ میرے نزدیک جب خدام میں یہ نظام پایا جاتا ہے کہ ہر ۹ خدام کا ایک گروپ لیڈر رہے تو قائد کو جو کام کرنا چاہیئے تھا وہ یہ تھا کہ وہ اپنے دو سائقین کو بلاتے اور اُنہیں حکم دیتے کہ تم میں سے ایک اِس طرف کا انتظام کرے اور دوسرا دوسری طرف کا۔ بہرحال ہر چیز نظام کے نیچے آنی چاہیئے ورنہ خدام الاحمدیہ کی تنظیم قائم کرنے کی غرض و غایت پوری نہیں ہو سکتی۔

پھر میرے نزدیک دعوتوں میں جس طرح پھل رکھا جاتا ہے اِس سے نہ صرف وقت ضائع ہوتا ہے بلکہ چیز کا بھی ضیاع ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کَلِمَةُ الْحِكْمَةِ ضَآلَّةُ الْمُؤْمِنِ اَخَذَهَا حَيْثُ وَجَدَهَا [۲] یعنی کلمۂ حکمت مؤمن کی ملکیت ہے وہ جہاں اسے دیکھے لے لے۔ ہمارے ہاں تو رواج نہیں مگر یورپین ممالک میں ایک بفے سسٹم (Buffe System) ہوتا ہے وہ اس جیسے مواقع پر بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ صرف دو میزیں رکھ کر اُن پر پھل لگا دیا جاتا اور پھر مدعووین سے کہہ دیا جاتا کہ آیئے جو پسند ہو کھا لیجئے۔ اِس طرح بڑی آسانی سے یہ کام دس منٹ میں ختم ہو جاتا اور جلسہ کی اصل غرض کے لئے زیادہ وقت بچ جاتا۔ سرو (Serve) کرنے اور پھل اُٹھا کر لانے کا وقت بھی ضائع نہ ہوتا۔ میرے نزدیک آئندہ اس قسم کی تقریبات کا انتظام بفے سسٹم کی طرز پر ہونا چاہیئے تاکہ اخراجات بھی کم ہوں اور وقت بھی کم صرف ہو۔

نظم کے متعلق میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اور لوگ تو محض رسم کے طور پر ان موقعوں پر نظم پڑھ دیتے ہیں مگر ہمارا ظاہری رسوم سے کوئی تعلق نہیں۔ ہماری اِن موقعوں پر نظمیں پڑھنے سے کوئی نہ کوئی غرض ہوتی ہے اور وہ مختلف مواقع کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔ مثلاً جلسہ سالانہ کے موقع پر بعض دفعہ میں بھی نظم کہہ دیتا ہوں اور دوسرے لوگ بھی مختلف نظمیں پڑھ دیتے ہیں کیونکہ

اُس موقع پر مختلف خیالات کے لوگ جمع ہوتے ہیں اور ہر مضمون کی نظم وہاں سج جاتی ہے مگر جب طلبہ اور خدام میں نظم پڑھی جاتی ہے تو نظم ان کے مناسب حال پڑھی جانی ضروری ہوتی ہے۔

خدام الاحمدیہ کو چاہئے کہ وہ ہر مجلس میں تعلیم کا ایک سیکرٹری مقرر کریں جس کا ایک کام یہ بھی ہو کہ وہ جلسوں کے لئے نظموں اور مضامین کا انتخاب کیا کرے اور یہ مدنظر رکھے کہ نظمیں دعائیہ اور جوش پیدا کرنے والی ہوں۔ مثلاً پروگرام شروع ہونے سے پہلے کوئی خادم میری ایک نظم پڑھ رہا تھا جس میں نماز جیسے دعائیہ فقرات تھے۔ اِس قسم کی نظم طلبہ اور خدام کیلئے مفید ہوسکتی ہے لیکن ایک عام تصوف کی نظم ان کے لئے زیادہ کارآمد نہیں ہوسکتی اور اس سے جوش دلانے کی غرض بھی حاصل نہیں ہوتی اس لئے آئندہ یہ خیال رکھا جائے کہ ایسے مواقع پر ایسی نظمیں رکھی جائیں جو دعائیہ اور جوش دلانے والی ہوں اور پھر سارے خدام پڑھنے والے کے ساتھ ساتھ اُنہیں دُہراتے چلے جائیں۔ اس سے طبائع میں جوش پیدا ہوتا ہے اور سننے والے مضمون کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب تو سننے والے کی صرف اس طرف توجہ ہوتی ہے کہ پڑھنے والے کی تال اور سر کیا ہے اور اُس کی آواز کیسی ہے۔ آواز اچھی ہوگی تو وہ تعریف کریں گے۔ لیکن اگر سننے والا سمجھتا ہو کہ یہ دعا ہے تو وہ اس کے مفہوم کو جذب کرنے کی کوشش کرے گا۔ پس آئندہ یہ ہونا چاہئے کہ جب نظم پڑھنے والا نظم پڑھے تو دوسرے بھی اس کے ساتھ شریک ہوں اور ساتھ ساتھ دعائیہ الفاظ کو دُہرائیں اِس طرح دعا کی عادت بھی پڑے گی اور ذمہ داری اُٹھانے کا احساس بھی پیدا ہوگا۔

اِس کے بعد میں خدام الاحمدیہ کو اِس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہر چیز کیلئے ایک خاص زمانہ اور ایک خاص وقت ہوتا ہے۔ کوئی وقت جہاد کا ہوتا ہے، کوئی وقت روزہ کا ہوتا ہے اور کوئی وقت نماز کا ہوتا ہے اور عقلمند وہی ہوتا ہے جو جہاد کے وقت جہاد کرے اور نماز کے وقت نماز پڑھے اور روزہ کے وقت روزہ رکھے۔ یہ نہیں کہ وہ باقی چیزوں کو چھوڑ دے لیکن اُس خاص وقت میں اُسی چیز پر زور دے جس کیلئے وہ وقت مخصوص ہے۔

قرآن کریم میں خدا تعالیٰ بعض گناہوں کو کبیرہ قرار دیتا ہے اور بعض کو صغیرہ۔ صوفیاء کرام نے لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس گناہ میں کوئی انسان مبتلاء ہو وہی اُس کیلئے کبیرہ گناہ

ہے۔ صرف یہ کہہ لینا کہ فلاں گناہ کبیرہ ہے اور فلاں صغیرہ یہ خلافِ عقل بات ہے۔ ایک نامرد کے لئے بدنظری کبیرہ گناہ نہیں ہوگا۔ اگر وہ کہتا ہے کہ میں بدنظری نہیں کرتا اِس لئے کبیرہ گناہ کا مرتکب نہیں ہوں تو ہم اُسے کہیں گے کہ تجھ میں اِس کی طاقت ہی نہیں پائی جاتی اس لئے یہ گناہ تمہارے نقطہ نگاہ سے کبیرہ گناہ نہیں۔ تمہارے لئے کبیرہ گناہ وہ ہوگا جس کی حرص اور لالچ تمہارے اندر پائی جاتی ہے۔ غرض جتنا جتنا خطرہ کسی گناہ کا کسی شخص کیلئے ہوگا اُتنا اُتنا ہی وہ اُس کیلئے کبیرہ ہوتا جائے گا اور جتنا جتنا خطرہ کم ہوگا اُتا اُتنا ہی وہ اس کے لئے صغیرہ ہوتا جائے گا۔ گویا ایک شخص کے لئے ایک گناہ کبیرہ ہوگا اور دوسرے شخص کے لئے وہی گناہ صغیرہ ہوگا۔ مثلاً ایک ایسا آدمی جو غریب ہے اُس کے بچوں کو کھانے کو کچھ نہیں ملتا۔ ان میں قناعت نہیں پائی جاتی۔ اس کے لئے چوری کا زیادہ امکان ہے لیکن اگر وہ چوری نہیں کرتا تو وہ ایک کبیرہ گناہ سے گریز کرتا ہے اور اگر اس کے لئے جھوٹ کا موقع نہیں لیکن وہ اس سے بچتا ہے تو وہ ایک صغیرہ گناہ سے بچتا ہے کیونکہ اس کے لئے چوری کے موجبات زیادہ تھے اور جھوٹ کے کم تھے۔ لیکن ایک اَور شخص ہوتا ہے جس کے سامنے جھوٹی شہادت کا سوال ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی پٹواری ہوتا ہے یا کوئی عرضی نویس ہوتا ہے اُس کیلئے جھوٹ بولنے کے بہت مواقع ہوتے ہیں۔ سینکڑوں آدمیوں سے اُس کا کام ہوتا ہے، مختلف مقدمات میں اُسے بلایا جاتا ہے اور اُس کے لئے ہزاروں ایسے مواقع پیدا ہوتے ہیں جہاں اس کیلئے جھوٹ بولنے کا احتمال ہوتا ہے۔ اگر ایسی نوکری والا جھوٹ سے بچتا ہے تو کبیرہ گناہ سے بچتا ہے۔ لیکن اگر وہ کہے کہ میں نے چوری نہیں کی تو ہم کہیں گے کہ تمہارے لئے چوری کرنے کا کوئی موقع ہی نہیں تھا۔ چالیس بیالیس روپے تمہیں گورنمنٹ دے دیتی ہے، چارہ ترکاریاں وغیرہ لوگ دے دیتے ہیں تمہاری عقل ماری گئی کہ تم چوری کرتے پھرو۔ تمہارے لئے چوری گناہ صغیرہ اور جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے۔ پس اگر تم جھوٹ بول دیتے ہو تو خواہ تم ڈاکہ زنی نہیں کرتے چوری نہیں کرتے تو پھر بھی تم کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوتے ہو۔

اسی طرح اس زمانہ میں جبکہ تم ایک مامور من اللہ کی جماعت میں شامل ہو گئے ہو، تمہیں یاد رکھنا چاہئے کہ مامورین کی جماعتوں پر ابتلاء بھی آتے ہیں اس لئے انہیں ان ابتلاؤں کا مقابلہ

کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہنا چاہئے ۔ جیسے افغانستان میں ہمارے پانچ آدمیوں پر ابتلاء آیا اور انہوں نے اپنی جانیں پیش کر دیں ۔ امیر عبدالرحمٰن کے زمانہ میں عبدالرحمان خان صاحب پر ابتلاء آیا اور وہ اپنی بات پر ڈٹے رہے ۔ امیر حبیب اللہ خان کے زمانہ میں صاحبزادہ سید عبداللطیف صاحب پر ابتلاء آیا اور وہ اپنی بات پر ڈٹے رہے ۔ امیر امان اللہ خان کے زمانہ میں نعمت اللہ خان صاحب اور ان کے دو ساتھیوں پر ابتلاء آیا اور وہ تینوں اپنی بات پر ڈٹے رہے ۔ مگر یہاں پانچ کا سوال نہیں بلکہ اصل دیکھنے والی بات یہ ہے کہ پانچ آدمیوں پر ابتلاء آیا اور پانچ میں سے پانچ ہی اس کے مقابلے میں ڈٹے رہے اور اگر پانچ کے پانچ ڈٹے رہے ہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر وہاں سَو آدمی بھی ہوتا تو وہ سَو کا سَو ڈٹا رہتا ۔ اگر ہزار آدمی ہوتا تو ہزار بھی ڈٹا رہتا کیونکہ جتنی مثالیں ہمارے سامنے ہیں ان میں ایک بھی ایسی مثال نہیں کہ کسی کو ایسا ابتلاء پیش آیا ہو جس میں اُس کی جان کا خطرہ ہو اور وہ اپنی بات پر ڈٹا نہ رہا ہو ۔ تمہیں بھی یہ چیز اپنے اندر پیدا کرنی چاہئے ۔ جب بھی کوئی سچائی دنیا میں آتی ہے اُس کے ماننے والوں کو قربانی کی ضرورت ہوتی ہے ۔ امیر خسرو کا ایک شعر ہے کہ

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

یعنی لوگ تو ایک دفعہ مرتے ہیں مگر جو اپنی مرضی خدا تعالیٰ پر چھوڑ دیتے ہیں ان پر ہر روز نئی موت آیا کرتی ہے کیونکہ ہر موقع پر انہیں خدا تعالیٰ کی آواز پہنچتی رہے گی اور وہ اُس پر لبیک کہتے رہیں گے ۔ پس اگر تم بھی خدا تعالیٰ کا سچا بندہ بننا چاہتے ہو تو تم اس بات کے لئے اپنے آپ کو تیار کرو بلکہ ایسے موقع پر خوشی کی ایک لہر تمہارے چہروں پر دوڑ جائے اور تم ہر مصیبت کو انعام سمجھ کر قبول کرو ۔ تم تو ایک سچائی کے ماننے والے ہو لیکن بعض دفعہ لوگ اپنے جھوٹے عشق کے لئے بھی یہ نمونہ پیش کر دیتے ہیں ۔

صلاح الدین ایوبی کے زمانہ میں قرامطہ فرقہ نے بہت طاقت حاصل کر لی تھی ۔ اُس وقت فرانس کا بادشاہ فلپ نامی تھا اور انگلینڈ کا رچرڈ ۔ رچرڈ نے صلاح الدین ایوبی سے سمجھوتہ کرنا چاہا ۔ اِس پر فلپ نے خیال کیا کہ اگر رچرڈ نے صلاح الدین ایوبی سے صلح کر لی اور کوئی سمجھوتہ

طے پا گیا تو میں چھوٹا ہو جاؤں گا۔ اِس لئے اُس نے جھٹ قرامطہ کے ساتھ گٹھ جوڑ کر لیا اور یہ تجویز ہوئی کہ دونوں مل کر مقابلہ کریں گے۔ قرامطہ کے امام اور فلپ کے درمیان ملاقات کا وقت مقرر ہوا اور یہ ملاقات پہاڑی پر ایک قلعہ میں طے پائی۔

قرامطیوں کا امام وہاں آیا اور فلپ بھی چوری چھپے وہاں گیا۔ فلپ نے قرامطہ کے امام سے کہا کہ ہر بادشاہ جب دوسرے کے پاس کوئی معاہدہ طے کرنے جاتا ہے تو وہ دوسرے سے کہتا ہے آیا اُس کے پاس ایسی کوئی چیز بھی موجود ہے جسے وہ پیش کر سکتا ہے؟ تم جانتے ہو میں تو ایک ملک کا بادشاہ ہوں اب تم بتاؤ کہ تمہارے پاس مجھے دینے کیلئے کیا کچھ ہے؟ جس مکان میں ملاقات ہو رہی تھی وہ ایک چھ منزلہ مکان تھا۔ جس کی ہر منزل کے سامنے چھجے تھے اور ہر چھجے کے کناروں پر کھڑکیاں تھیں، ہر کھڑکی کے سامنے ایک ایک سپاہی کھڑا تھا۔ قرامطہ کے امام نے کہا اچھا میں بتاؤں کہ میرے پاس تمہیں دینے کو کیا کچھ ہے؟ اُس نے سر ہلایا۔ اُس کے سر ہلانے کی دیر تھی کہ نچلی منزل کے تین آدمیوں نے یکدم نیچے چھلانگ لگا دی اور وہ چُور چُور ہو گئے۔ پھر قرامطہ کے امام نے کہا فلپ شاید تم یہ خیال کرو کہ اِنہیں اپنے انجام کا پتہ نہیں تھا یا اِنہیں خیال ہو کہ وہ مریں گے نہیں اس لئے اب میں تمہیں پھر وہی نظارہ دکھاتا ہوں۔ اس نے پھر اپنا سر ہلایا اور اُس کے سر ہلانے پر دوسری منزل کے تین آدمیوں نے بھی یکدم چھلانگیں لگا دیں اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ فلپ پر لرزہ طاری ہو گیا اور وہ اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اپنی بات کسی اور وقت پر ملتوی کر دی اور وہاں سے چلا گیا۔ اب دیکھو اُن کے اندر نور نہیں تھا ایک جھوٹا عشق تھا مگر پھر بھی انہوں نے موت کی پرواہ نہ کی۔

ولیم میور لکھتا ہے کہ جنگ احزاب کے موقع پر کفار سات آٹھ ہزار کی تعداد میں تھے اور مسلمان صرف پندرہ سَو تھے۔ میرے نزدیک دشمن کی تعداد پندرہ ہزار تھی اور مسلمان سات سَو تھے اور تاریخ بھی اس کی تصدیق کرتی ہے۔ گویا دشمن بیس گنے سے بھی زیادہ تھا لیکن اگر میور کی تعداد کو بھی مدنظر رکھ دیا جائے تب بھی کفار مسلمانوں سے چار پانچ گنا زیادہ تھے۔ میور لکھتا ہے کفار مسلمانوں پر دن رات حملے کرتے تھے اور حملے باری بدل بدل کر کرتے تھے تاکہ مسلمان تھک جائیں۔ ان کا ایک گروہ تھک جاتا تھا تو دوسرا آ جاتا تھا لیکن مسلمانوں کی تعداد اتنی کم تھی

کہ وہ انہیں مختلف حصوں میں تقسیم نہیں کر سکتے تھے اس لئے ان کیلئے آرام کرنا مشکل تھا۔لیکن پندرہ دن کی متواتر جنگ میں میں نہیں سمجھ سکتا کہ کس طرح بچ گئے۔ پھر وہ خود ہی جواب دیتا ہے کہ اِس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِتنی محبت تھی کہ وہ اس کے مقابلہ میں کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ جب میں تاریخ پڑھتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں کہ پندرہ سَو آدمیوں نے سات آٹھ ہزار کے لشکر جرار کا کس طرح مقابلہ کیا۔ جب مسلمان تھک جاتے تھے تو کفار خندق کود کر اندر آجاتے تھے۔ اور جب دشمن پھاند کر اندر آجاتا تھا تو مسلمان دَبتے چلے جاتے تھے اور دشمن زور پکڑتا جاتا تھا۔لیکن جونہی وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کے پاس جاتے (یہ خیمہ مدینہ کے درمیان تھا) تو وہ بے تاب ہو جاتے اور انسانوں کی شکلوں میں دیو معلوم ہوتے تھے اور دشمن کو دھکیلتے ہوئے پیچھے لے جاتے تھے۔ یہ جوش صرف اُس عشق کا نتیجہ تھا جو صحابہؓ کے دلوں میں پایا جاتا تھا۔

پس مومن کو چاہئے وہ ہر قربانی پیش کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہے۔ خدام الاحمدیہ کو چاہئے کہ وہ یہ روح اپنے اندر پیدا کریں، وہ اپنے اندر احساس پیدا کریں کہ ضرورت پڑنے پر خدا کیلئے اپنی جان پیش کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہیں گے۔ اگر تم اس کیلئے تیار ہو تو یقیناً تمہارے اندر وہ بشاشت ایمانی پیدا ہو جائے گی جس کے بغیر کوئی شخص نجات حاصل نہیں کر سکتا۔

(الفضل ۱۷؍ اکتوبر ۱۹۶۱ء)

۱؎ قل ان کان للرحمن ولد فانا اوّل العبدین (الزخرف:۸۲)

۲؎ ترمذی ابواب العلم باب ماجاء فی فضل الغقه علی العبادة میں الفاظ یہ ہیں۔ ”اَلْکَلِمَةُ الْحِکْمَةُ ضَآلَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا“